اہل تصوف اور دینی جدوجہد

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

دنیا میں بہت سی چیزیں بعض خاص اسباب کی بناء پر بغیر علمی تنقید وتحقیق کے تسلیم کرلی جاتی ہیں اور ان کو ایسی شہرت ومقبولیت حاصل ہوجاتی ہے کہ اگرچہ ان کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہوتی مگر خواص بھی ان کو زبان وقلم سے بے تکلف دہرانے لگتے ہیں۔ انہی مشہوراتِ بے اصل میں سے یہ بات بھی ہے کہ تصوّف، تعطّل وبے عملی حالات سے شکست خوردگی اور میدانِ جدوجہد سے فرار کا نام ہے، لیکن عقلی ونفسیاتی طور پر بھی اور عملی اور تاریخی حیثیت سے بھی ہمیں اس دعوے کے خلاف مسلسل طریقہ پر داخلی وخارجی شہادتیں ملتی ہیں۔ سیرتِ سید احمد شہیدؒ میں تزکیہ واصلاحِ باطن کے عنوان کے ماتحت خاکسار راقم نے حسبِ ذیل الفاظ لکھے تھے، جس میں آج بھی تبدیلی کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی اور اس حقیقت پر پہلے سے زیادہ یقین پیدا ہوگیا ہے:

> ''یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سرفروشی وجانبازی، جہاد وقربانی اور تجدید وانقلاب وفتح وتسخیر کے لئے جس روحانی وقلبی قوت، جس وجاہت وشخصیت، جس اخلاص وللہیّت، جس جذب وکشش اور جس حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہے وہ بسا اوقات روحانی ترقی، صفائی باطن، تہذیب نفس، ریاضت وعبادت کے بغیر نہیں پیدا ہوتی، اس لیے آپ دیکھیں گے کہ جنہوں نے اسلام میں مجدّدانہ یا مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے ہیں، اُن میں سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے، ان آخری صدیوں پر نظر ڈالیے، امیر عبدالقادر الجزائری، مجاہد جزائر، محمد احمد السودانی (مہدی سوڈانی) سید احمد شریف السنوسی (امام سنوسی) کو آپ اس میدان کا مرد پائیں گے۔ حضرت سید احمد ایک مجاہد قائد کے علاوہ اور اس سے پہلے ایک عزیز القدر روحانی پیشوا اور بے مثل شیخ الطریقت تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجاہدات وریاضات تزکیۂ نفس اور قربِ الٰہی سے عشقِ الٰہی اور جذب وشوق کا جو مرتبہ حاصل ہوتا ہے اس میں ہر رونگٹے سے یہی آواز آتی ہے :
>
> ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر　　　مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں
>
> اس لیے روحانی ترقی اور کمالِ باطنی کا آخری اور لازمی درجہ شوقِ شہادت ہے اور مجاہدے کی تکمیلِ جہاد ہے'' (۱)

نفسیاتی پہلو سے غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا' کہ یقین اور محبت ہی وہ شہپر ہیں جن سے جہاد وجدوجہد کا شہباز پرواز کرتا ہے، مرغوباتِ نفسانی، عادات ومالوفاتِ مادی' مصالح ومنافع، اغراض وخواہشات کی پستیوں سے وہی شخص بلند ہوسکتا

ہےاور لکنہ أخلد إلی الأرض و اتبع ھواہ (۲) کے دامِ ہمرنگِ زمین سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس میں کسی حقیقت کے یقین اور کسی مقصد کے عشق نے پارہ کی ''تقدیر سیمابی'' اور تجلیوں کی بے تابی پیدا کردی ہو۔

انسانی زندگی کا طویل تجربہ ہے کہ محض معلومات وتحقیقات اور مجرد قوانین وضوابط اور صرف نظم وضبط، سرفروشی و جانبازی، بلکہ سہل تر ایثار وقربانی کی طاقت وآمادگی پیدا کرنے کے لیے بھی کافی نہیں ہے، اس کے لیے اس سے کہیں زیادہ گہرے اور طاقتور تعلق اور ایک ایسی روحانی لالچ اور غیر مادی فائدہ کے یقین کی ضرورت ہے کہ اس کے مقابلہ میں زندگی باردوش معلوم ہونے لگے۔ کسی ایسے ہی موقع اور حال میں کہنے والے نے کہا تھا:

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست　　اس نوید جاں فزا سے سروبال دوش ہے

اس لیے کم سے کم اسلام کی تاریخ میں ہر مجاہدانہ تحریک کے سرے پر ایک ایسی شخصیت نظر آتی ہے جس نے اپنے حلقۂ مجاہدین میں یقین ومحبت کی یہی روح پھونک دی تھی اور اپنے یقین ومحبت کو سینکڑوں اور ہزاروں انسانوں تک منتقل کرکے ان کے لیے تن آسانی اور راحت طلبی کی زندگی دشوار اور پامردی اور شہادت کی موت آسان اور خوشگوار بنادی تھی اور ان کے لیے جینا اتنا ہی مشکل ہوگیا تھا، جتنا دوسروں کے لیے مرنا مشکل تھا، یہی سرحلقہ وہ امام وقت ہے جس کے متعلق اقبال مرحوم نے کہا ہے

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق　　جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست　　زندگی اور بھی تیرے لیے دشوار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرمادے　　فکر کی سان چڑھاکر تجھے تلوار کرے

معمولی ومعتدل حالات میں قوموں کی قیادت کرنے والے، فتح ونصرت کی حالت میں لشکروں کو لڑانے والے ہر زمانے میں ہوتے ہیں اس کے لئے کسی غیر معمولی یقین وشخصیت کی ضرورت نہیں، لیکن مایوس کن حالات اور قومی انحطاط کی کیفیات میں صرف وہی مرد میدان حالات سے کش مکش کی طاقت رکھتے ہیں جو اپنے خصوصی تعلق باللہ اور قوت ایمانی و روحانی کی وجہ سے خاص یقین وکیفیتِ عشق کے مالک ہوں۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے تاریک وقفے آئے کہ ظاہری علم وحواس وقوتِ مقابلہ نے جواب دے دیا اور حالات کی تبدیلی امر محال معلوم ہونے لگی تو کوئی صاحب یقین و صاحب عشق میدان میں آیا، جس نے اپنی ''جرأتِ رندانہ'' اور کیفیتِ عاشقانہ سے زمانہ کا بہتا ہوا دھارا بدل دیا اور اللہ تعالیٰ نے یُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط (۳) کا منظر دکھادیا۔

تاتاریوں نے جب تمام عالمِ اسلام کو پامال کرکے رکھ دیا، جلال الدین خوارزم شاہ کی واحد اسلامی سلطنت اور عباسی خلافت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہوگیا تو تمام عالم اسلام پر یاس ومردنی چھاگئی۔ تاتاریوں کی شکست ناممکن الوقوع چیز سمجھی جانے لگی اور یہ مثال زبان وادب کا جزو بن گئی کہ إذا قیل لك: إن التترا انھزموا فلا تصدق ''اگر تم سے کوئی کہے کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی تو کبھی یقین نہ کرنا''، اس وقت کچھ صاحبِ یقین وصاحبِ قلوب مردانِ خدا تھے جو مایوس نہیں ہوئے اور اپنے کام میں لگے رہے

یہاں تک کہ تاتاری سلاطین کو مسلمان کر کے صنم خانہ سے کعبہ کے لیے پاسبان مہیا کر دیئے۔

ہندوستان میں اکبر کے دور میں ساری سلطنت کا رُخ الحاد و لادینیت کی طرف ہو گیا۔ ہندوستان کا عظیم ترین بادشاہ ایک وسیع و طاقتور سلطنت کے پورے وسائل و ذخائر کے ساتھ اسلام کا امتیازی رنگ مٹانا چاہتا تھا۔ اس کو اپنے وقت کے لائق ترین و ذکی ترین افراد اس مقصد کی تکمیل کے لیے حاصل تھے۔ سلطنت میں ضعف و پیرانہ سالی کے کوئی آثار ظاہر نہ تھے کہ کسی فوجی انقلاب کی امید کی جا سکے۔ علم و ظاہری قیاسات کسی خوشگوار تبدیلی کے امکان کی تائید نہیں کرتے تھے، اس وقت ایک درویشِ بے نوا نے تن تنہا اس انقلاب کا بیڑہ اٹھایا اور اپنے یقین و ایمان، عزم و توکل اور روحانیت و للّٰہیت سے سلطنت کے اندر ایک ایسا اندرونی انقلاب شروع کیا کہ سلطنت مغلیہ کا ہر جانشین اپنے پیشرو سے بہتر ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اکبر کے تختِ سلطنت پر بالآخر محی الدین اورنگ زیب نظر آیا۔ اس انقلاب کے بانی امام طریقت حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الفِ ثانیؒ تھے۔

انیسوی صدی عیسوی میں جب عالم اسلام پر فرنگی ''تاتاریوں'' یا مجاہدینِ صلیب کی یورش ہوئی تو اُن کے مقابلہ میں عالم اسلام کے ہر گوشہ میں جو مردانِ کار، سر سے کفن باندھ کر میدان میں آئے وہ اکثر و بیشتر شیوخ طریقت اور اصحابِ سلسلہ بزرگ تھے جن کے تزکیۂ نفس اور سلوکِ راہِ نبوت نے ان میں دین کی حمیت، کفر کی نفرت، دنیا کی حقارت اور شہادت کی موت کی قیمت دوسروں سے زیادہ پیدا کر دی تھی۔ الجزائر (مغرب) میں امیر عبدالقادر نے فرانسیسیوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور ۱۸۳۲ء سے ۱۸۴۷ء تک نہ خود چین سے بیٹھے، نہ فرانسیسیوں کو چین سے بیٹھنے دیا۔ مغربی مورخین نے ان کی شجاعت، عدل و انصاف، نرمی و مہربانی اور علمی قابلیت کی تعریف کی ہے۔ یہ مجاہد، ذوقاً و عملاً صوفی اور شیخ الطریقت تھا، امیر شکیب ارسلان نے ان الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے :

> ''امیر عبدالقادر مرحوم پورے عالم و ادیب، عالی دماغ اور بلند پایہ صوفی تھے، صرف نظری طور پر نہیں بلکہ عملاً اور ذوقاً بھی صوفی تھے، تصوف میں ان کی ایک کتاب ''المواقف'' ہے۔ وہ اس سلسلے کے یکتائے روزگار لوگوں میں سے تھے اور ممکن ہے کہ متاخرین میں ان کی نظیر دستیاب نہ ہو سکے''۔ (۴)

دمشق کے زمانہ قیام کے معمولات و اوقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> ''روزانہ فجر کو اٹھتے، صبح کی نماز اپنے گھر کے قریب کی مسجد میں جو محلہ العمارہ میں واقع ہے، پڑھتے، سوائے بیماری کی حالت کے کبھی اس میں ناغہ نہ ہوتا، تہجد کے عادی تھے اور رمضان المبارک میں حضرات صوفیہ کے طریقہ پر ریاضت کرتے، برابر سلوک و تقویٰ اور اخلاقِ فاضلانہ پر قائم رہتے ہوئے ۱۸۸۳ء میں انتقال کیا۔'' (۵)

۱۸۱۳ء میں طاغستان پر جب روسیوں کا تسلط ہوا تو ان کا مقابلہ کرنے والے نقشبندی شیوخ تھے جنہوں نے علم جہاد بلند کیا اور اس کا مطالبہ اور جدوجہد کی کہ معاملات و مقدمات، شریعت کے مطابق فیصل ہوں اور قوم کی جاہلی عادات کو ترک کر دیا جائے، امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں:

''اس جہاد کے علمبردار طاغستان (۶) کے علماء اور طریقۂ نقشبندیہ کے (جو طاغستان میں پھیلا ہوا ہے) شیوخ تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حقیقت کو عام مسلمانوں سے پہلے سمجھ لیا تھا کہ اصل نقصان حکام سے پہنچتا ہے، جو خطابات، عہدہ واقتدار جھوٹی قیادت وسرداری، عیش ولذّت اور تمغوں اور مرتبوں کی لالچ میں قوم فروشی کا ارتکاب کرتے ہیں، یہ سمجھ کر انہوں نے ملکی حکام اور ان کے حامی روسیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا کہ معاملات کا فیصلہ شریعت مطہرہ کے مطابق ہو نہ کہ قوم کے قدیم جاہلی عادات کے ،اس تحریک کے قائد غازی محمد تھے، جن کو روسی قاضی ملا کے لقب سے یاد کرتے ہیں، وہ علوم عربیت میں بلند پایہ رکھتے تھے، ان جاہلی عادات کے ترک کرنے کے بارے میں ان کی ایک تصنیف " إقامة البرهان علىٰ ارتداد عرفاء طاغستان " (طاغستان کے چودھریوں اور برادری کے سرداروں کے ارتداد کا ثبوت) ہے۔''

۱۸۳۲ء میں غازی محمد شہید ہوئے، اُن کے جانشین حمزہ بے ہوئے۔ ان کے بعد شیخ شامل نے مجاہدین کی قیادت سنبھالی، جو بقول ''امیر شکیب'' ''امیر عبدالقادر الجزائریؒ کے طرز پر تھے اور مشیخت سے امارت ہاتھ میں لی تھی''۔

شیخ شاملؒ نے ۲۵ برس تک روس سے مقابلہ جاری رکھا، اور مختلف معرکوں میں ان پر زبردست فتح حاصل کی، روس ان کی شوکت وشجاعت سے مرعوب تھے، اور چند مقامات کو چھوڑ کر سارے ملک سے بے دخل ہو گئے تھے، ۱۸۴۳ء اور ۱۸۴۴ء میں شیخ نے ان کے سارے قلعے فتح کر لیے اور بڑا جنگی سامان مالِ غنیمت میں حاصل کیا، اس وقت حکومت روس نے اپنی پوری توجہ طاغستان کی طرف مبذول کی، طاغستان میں جنگ کرنے کے لیے باقاعدہ دعوت دی، شعراء نے نظمیں لکھیں اور پے در پے فوجیں روانہ کی گئیں، شیخ شامل نے اس کے باوجود بھی مزید دس برس تک جنگ جاری رکھی بالآخر ۱۸۵۹ء میں اس مجاہد عظیم نے ہتھیار ڈال دیئے۔

تصوف وجہاد کی جامعیت کی درخشاں مثال سیدی احمد الشریف السنوسی کی ہے، اطالویوں نے برقہ وطرابلس کی فتح کے لیے پندرہ دن کا اندازہ لگایا تھا، نوآبادیوں اور آبادیوں کی جنگ کا تجربہ رکھنے والے انگریز قائدین نے اس پر تنقید کی اور کہا کہ یہ اطالویوں کی ناتجربہ کاری ہے، اس مہم میں ممکن ہے تین مہینے لگ جائیں، لیکن نہ پندرہ دن نہ تین مہینے، اس جنگ میں پورے تیرہ برس لگ گئے، اور اطالوی پھر بھی اس علاقہ کو مکمل طریقہ پر سر نہ کر سکے، یہ سنوسی درویشوں اور ان کے شیخ طریقت سید احمد الشریف السنوسی کی مجاہدانہ جدوجہد تھی جس نے اطالیہ کو پندرہ سال تک اس علاقے میں قدم جمانے نہیں دیا۔

امیر شکیب ارسلان نے لکھا ہے کہ سنوسیوں کے کارنامے نے ثابت کر دیا کہ طریقہ سنوسیہ ایک پوری حکومت کا نام ہے، بلکہ بہت سی حکومتیں بھی ان جنگی وسائل کی مالک نہیں ہیں، جو سنوسی رکھتے ہیں۔ خود سیدی احمد الشریف کے متعلق ان کے الفاظ ہیں :

''مجھے سید سنوسی میں غیر معمولی صبر اور ثابت قدمی دکھائی دی جو کم لوگوں میں دیکھی اور اولوالعزمی

ان کے ناصیہ اقبال سے ہویدا ہے، ایک طرف اپنے تقویٰ وعبادت کے لحاظ سے اگر وہ اپنے زمانہ کے ابدال میں شمار ہونے کے قابل ہیں تو دوسری طرف شجاعت کے لحاظ سے دلیرانِ زمانہ کی صف میں شامل ہونے کے مستحق ہیں''۔

امیر شکیب نے صحراء اعظم افریقہ کی سنوسی خانقاہ کی جو تصویر کھینچی ہے، وہ بڑی دل آویز اور سبق آموز ہے، یہ خانقاہ واحۃ الکفرہ میں واقع تھی، اور سید احمد شریف کے چچا اور شیخ السید المہدی کے انتظام میں تھی' افریقہ کا سب سے بڑا روحانی مرکز اور جہاد کا دارالتربیت تھی، امیر مرحوم کہتے ہیں :

''سید مہدی صحابہ وتابعین کے نقش قدم پر تھے، وہ عبادت کے ساتھ بڑے عملی آدمی تھے، ان کو معلوم تھا کہ قرآنی احکام حکومت واقتدار کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتے۔ اس لیے وہ اپنے برادران طریقت اور مریدین کو ہمیشہ شہسواری، نشانہ بازی کی مشق کی تاکید کرتے رہتے ان میں غیرت اور مستعدی کی روح پھونکتے، ان کو گھوڑ دوڑ اور سپہ گری کا شوق دلاتے رہتے اور جہاد کی فضیلت واہمیت کا نقش ان کے دل پر قائم کرتے، ان کی یہ کوششیں بار آور ہوئیں اور مختلف مواقع پر اُس کے اچھے نتائج برآمد ہوئے، خصوصا جنگ طرابلس میں سنوسیوں نے ثابت کردیا کہ ان کے پاس ایسی مادی قوت ہے، جو بڑی بڑی حکومتوں کی طاقت سے ٹکر لے سکتی ہے، اور بڑی باجبروت سلطنتوں کا مقابلہ کرسکتی ہے، صرف جنگ طرابلس ہی میں سنوسیوں کا جوش وغضب ظاہر نہیں ہوا، بلکہ علاقۂ کانم اور وادیٔ (سوڈان) میں وہ ۱۳۱۹ھ سے ۱۳۳۲ھ تک فرانسیسیوں سے برسر جنگ رہے''۔

سیّدی احمد الشریف نے مجھے سنایا کہ ان کے چچا سید مہدی کے پاس پچاس پچاس ذاتی بندوقیں تھیں، جن کو وہ بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے ہاتھ سے صاف کرتے اور پونچھتے تھے، اگرچہ ان کے سینکڑوں کی تعداد میں مریدین تھے، مگر وہ اس کے روادار نہ تھے کہ یہ کام کوئی اور کرے، تاکہ لوگ ان کی اقتداء کریں، اور جہاد کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کے سامان وذخائر کا اہتمام کریں، جمعہ کا دن جنگی مشقوں کے لیے مخصوص تھا، گھوڑوں کی ریس ہوتی، نشانہ کی مشق ہوتی وغیرہ وغیر۔

خود سیّد ایک بلند جگہ پر تشریف فرما ہوتے، شہسوار دو حصّوں (پارٹیوں) میں تقسیم ہوجاتے، اور دوڑ شروع ہوتی، یہ سلسلہ دن چھپے تک جاری رہتا کبھی کبھی نشانہ مقرر ہوتا، اور نشانہ بازی شروع ہوتی، اس وقت علماء ومریدین کا نمبر نشانہ بازی میں بڑا ہوتا، کیونکہ ان کے شیخ کی ان کے لیے خاص تاکید تھی، جو لوگ گھوڑ دوڑ میں پالا جیت لیتے یا نشانہ بازی میں بازی لے جاتے، ان کو قیمتی انعامات ملتے تاکہ جنگی کمالات کا شوق ہو''۔

جمعرات کا دن دستکاری اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے کے لیے مقرر تھا، اُس دن اسباق بند ہوجاتے، مختلف پیشوں اور صنعتوں میں لوگ مشغول ہوتے، کہیں تعمیر کا کام ہورہا ہوتا، کہیں نجاری، کہیں لوہاری،

کہیں پارچہ بافی، کہیں دراقی کا مشغلہ نظر آتا، اس دن جو شخص نظر آتا وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتا دکھائی دیتا، خود سیّد مہدی بھی پورے مشغول رہتے، تاکہ لوگوں کو عمل کا شوق ہو۔

سیّد مہدی اور ان سے پہلے ان کے والد ماجد کو زراعت اور درخت لگانے کا بڑا اہتمام تھا، اس کا ثبوت ان کی خانقاہیں، اور ان کے خانہ باغ ہیں، کوئی سنوسی خانقاہ ایسی نہیں ملے گی جس کے ساتھ ایک یا چند باغات نہ ہوں، وہ نئے نئے قسم کے درخت دور دراز مقامات سے اپنے شہروں میں منگواتے تھے، انہوں نے کفرہ اور جنبوب میں ایسی زراعتیں اور درخت روشناس کئے، جن کو وہاں کوئی جانتا بھی نہ تھا، بعض طلبا سید محمد السوسی (بانیٔ سلسلہ سنوسیہ) سے کیمیا سکھانے کی درخواست کرتے تھے تو وہ فرماتے تھے کہ ''کیمیا ہاتھ کے نیچے ہے'' اور کبھی فرماتے ''کیمیا کیا ہے ہاتھ کی محنت اور پیشانی کا پسینہ ہے''۔ وہ طلبا اور مریدین کو پیشوں اور صنعتوں کا شوق دلاتے، اور ایسے جملے فرماتے جن سے ان کی ہمت افزائی ہوتی اور وہ اپنے پیشوں اور صنعتوں کو حقیر نہ سمجھتے، اور نہ ان میں علماء کے مقابلے میں احساس، کمتری پیدا ہوتا، چنانچہ فرماتے تھے: ''بس تم کو حسن نیّت اور فرائض کی پابندی کافی ہے، دوسرے تم سے افضل نہیں''۔ کبھی کبھی اپنے کو بھی پیشہ وروں میں شامل کر کے، اور اُن کے ساتھ کام میں شرکت کرتے ہوئے فرماتے:

''کیا یہ کاغذوں والے (علماء) اور تسبیحوں والے (ذاکرین وصوفیہ) سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں سبقت لے جائیں گے، نہیں خدا کی قسم! وہ ہم سے کبھی سبقت نہیں لے جاسکتے''۔ (۷)

عالم اسلام پر سیّد جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت و دعوت نے جو اثر ڈالا ہے وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ نئے دنیائے اسلام کے معماروں میں ہیں، سیّد جمال الدین افغانی سرتاپا دعوت و عمل اور ایک شعلہ جوالا تھے جس نے افغانستان سے لے کر ترکی تک تمام عالم اسلام میں حمیت اسلامی کی روح اور اتحادِ اسلامی کا صور پھونکا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان کے سوز دروں اور گرمی نفس میں اور ان کی بے چین طبیعت اور مسلسل جدوجہد میں اُن کے ذکرِ قلبی اور باطنی بیداری کو بھی دخل ہے، جس کے بغیر اکثر آدمی مسلسل محنت اور مخالفتوں اور مایوس کن حالات کا ہمیشہ مقابلہ نہیں کرسکتا، یہی حال ان کے شاگردِ رشید اور دست راست شیخ محمد عبدہ کا ہے جو تصوّف کے لذت آشنا اور اس کوچہ سے واقف تھے۔ (۸)

معاصر دینی تحریکوں میں "الاخوان المسلمون" کی تحریک سب سے زیادہ طاقتور اور منظم تحریک ہے اور عالمِ عربی کے لیے تو وہ احیائے دین اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی واحد تحریک ہے، اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا زندگی سے پورا ربط ہے اور ممالک عربیہ کی عمومی زندگی پر اس نے بڑا گہرا اور محسوس اثر ڈالا ہے، اس کے بانی شیخ حسن البنا مرحوم کی شخصیت بڑی مؤثر، دل آویز اور ہمہ گیر شخصیت تھی، وہ سرتاپا عمل اور مجسّم جدوجہد تھے، نہ تھکنے والے، نہ مایوس ہونے والے، نہ پست ہونے والے سپاہی اور داعی تھے، ان کی ان خصوصیات میں ان کے روحانی نشوونما اور سلوک کو بڑا دخل

ہے۔ وہ جیسا کہ انہوں نے اپنی خودنوشت سوانح میں تصریح کی ہے طریقہ حصافیہ شاذلیہ میں بیعت تھے، اور باقاعدہ اس کے اذکار واشغال کی ورزش کی تھی۔ (۹)

ان کے خواص اور معتمدین نے بیان کیا کہ وہ زندگی کے آخری معروف ترین دنوں میں بھی اپنے اوراد ومعمولات کے پابند رہے، اخوان کی پانچویں موتمر ۱۳۶۷ھ میں انہوں نے اخوان کی تحریک کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی تعریف میں حسب ذیل جملے کہے تھے :

''ایک ایسی جماعت جس میں سلف کی دعوت، اہل سنت کا طریقہ، تصوف کی حقیقت، سیاست، ورزش، علم وثقافت، اقتصادی تعاون اور اجتماعی فکر جمع ہیں''۔ (۱۰)

ہندوستان میں تصوف و جہاد کا ایسا عجیب امتزاج واجتماع ملتا ہے جس کی نظیر دور دور ملنی مشکل ہے، اس سلسلہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کا تذکرہ تحصیل حاصل ہے کہ ان کی یہ جامعیت مسلمات میں سے ہے اور حدِ تواتر کو پہنچ چکی ہے، ان کے رفقاء جہاد اور ان کے تربیت یافتہ اشخاص کے جوش جہاد، شوقِ شہادت، محبت دینی بغض فی اللہ کے واقعات قُرونِ اُولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

جب کبھی ان کے مفصل واقعات سامنے آئیں گے، تو اندازہ ہوگا کہ یہ قرن اوّل کا ایک بچا ہوا ایمانی جھونکا تھا جو تیرھویں صدی میں چلا تھا۔ (۱۱) اور جس نے دکھا دیا تھا کہ ایمان، توحید اور صحیح تعلق باللہ اور راہِ نبوت کی تربیت وسلوک میں کتنی قوت اور کیسی تاثیر ہے، اور بغیر صحیح روحانیت اور اصلاح کے پختہ جوش وجذبہ اور ایثار وقربانی اور جاں سپاری کی امید غلط ہے۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانشینوں میں مولانا سید نصیر الدین اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی سید صاحبؒ کے پرتو تھے، ان کے جانشینوں میں مولانا یحییٰ علی اور مولانا احمد اللہ صادق پوری بھی دونوں حیثیتوں کے جامع تھے، ایک طرف ان کے جہاد وابتلاء اور امتحان کے واقعات امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ کرتے ہیں اور وہ کبھی گھوڑے کی پیٹھ پر، کبھی انبالہ کے پھانسی گھر میں، اور کبھی جزیرہ انڈمان میں محبوس نظر آتے ہیں، دوسرے وقت وہ سلسلہ مجددیہ وسلسلۂ محمدیہ (سید صاحبؒ کے خصوصی سلسلہ) میں لوگوں کی تربیت وتعلیم میں مشغول دکھائی دیتے ہیں۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ کی مجاہدانہ جدوجہد اور قربانیاں اگر ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور اہل صادقپور کی جدوجہد اور قربانیاں دوسرے پلڑے پر شاید یہی پلڑا بھاری رہے۔

ان حضرات کے بعد بھی ہم کو اہل سلسلہ اور اصحاب ارشاد، دینی جدوجہد اور جہاد فی سبیل اللہ کے کام سے فارغ اور گوشہ نشین نظر نہیں آتے، شاملی کے میدان میں حضرت حاجی امداد اللہؒ، حضرت حافظ ضامنؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہی (رحمۃ اللہ علیہم) انگریزوں کے خلاف صف آراء نظر آتے ہیں، حضرت حافظ ضامنؒ وہیں شہید ہوتے ہیں، حضرت حاجی صاحبؒ کو ہندوستان سے ہجرت کرنی پڑتی ہے، مولانا نانوتویؒ ومولانا گنگوہیؒ کو عرصہ تک گوشہ نشین اور مستور رہنا پڑتا ہے۔ پھر مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (جن کو ہندوستان کے مسلمانوں نے بجا طور پر شیخ

الہند کے لقب سے یاد کیا) انگریزوں کے خلاف جہاد کی تیاری کرتے ہیں اور ہندوستان کو ان کے وجود سے پاک کر کے ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، جس میں مسلمانوں کا اقتدار اعلیٰ اور ان کے ہاتھ میں ملک کی زمام کار ہو، ان کی بلند ہمتی ان کو ترکی سے تعلقات قائم کرنے اور ہندوستان وافغانستان وترکی کو ایک سلسلۂ جہاد میں منسلک کرنے پر آمادہ کرتی ہے، ریشمی خطوط اور انور پاشا کی ملاقات، مالٹا کی اسارت، ان کی اعلیٰ ہمتی اور قوتِ عمل کا ثبوت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ○ (سورۃ الاحزاب ۳۳:۲۳) ''ان مؤمنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے پھر بعضے ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعضے ان میں مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا تغیر وتبدل نہیں کیا''۔(۱۲)

ان مسلسل تاریخی شہادتوں کی موجودگی میں یہ کہنا کہاں تک صحیح ہوگا کہ تعطل و بے عملی، حالات کے مقابلے میں سپر اندازی اور پسپائی تصوّف کے لوازم میں سے ہے' اگر اس دعوے کے ثبوت میں چند متصوفین اور اصحاب طریقت کی مثالیں ہیں تو اس کے خلاف بڑی تعداد میں ائمہ فن اور شیوخ طریقت کی مثالیں جو اپنے مقام اور رسوخ فی الطریقہ میں بھی اوّل الذکر اصحاب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

اگر تصوّف اپنی صحیح رُوح اور سلوک راہِ نبوّت کے مطابق ہو، اور یقین ومحبت پیدا ہونے کا باعث ہو (جو اس کے اہم ترین مقاصد ونتائج ہیں) تو اس سے قوتِ عمل، جذبہ جہاد، عالی ہمتی، جفاکشی، شوقِ شہادت پیدا ہونا لازمی ہے، جب محبتِ الٰہی کا چشمہ دل سے اُبلے گا، تو روئیں روئیں سے یہ صدا بلند ہوگی:

اے آنکہ زنی دم از محبت — از ہستی خویشتن پرہیز
بر خیز و بہ تیغ تیز بنشین — یا از رہِ راہِ دوست برخیز

☆.....☆.....☆

حوالہ جات

(۱) سیرت سید احمد شہید طبع ثانی (۲) سورۃ الاعراف ۷:۱۷۶ (۳) سورۃ الروم ۳۰:۱۹ (۴) حاضر العالم الاسلامی جلد دوم ۱۷۳ (۵) حاضر العالم الاسلامی جلد دوم صفحہ ۱۷۲ (۶) طاشقند بحر خزر کے مغربی ساحل پر اسلامی آبادی کا ایک ملک ہے۔ اگر شمالی قفقاز کو اس کے ساتھ شامل کر دیا جائے تو ۲۰، ۳۰ لاکھ رمیان آبادی ہوگی۔ ۱۵۰ھ میں ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں مسلمانوں نے اس کو فتح کیا تھا۔ اس سے پہلے یہ ملک ایران کے زیر اثر تھا۔(۷) حاضر العالم الاسلامی ج ۲ صفحہ ۱۶۳، ۱۶۴ (۸) مجھ سے قاہرہ میں مصر کے مشہور فاضل و مصنف ڈاکٹر احمد امین نے خود اس کا تذکرہ کیا، جنہوں نے ان کا زمانہ پایا تھا اور شیخ محمد عبدہ کے درس میں شریک ہوئے تھے۔(۹) ملاحظہ ہو ''مذاکرات الدعوۃ والداعیۃ'' جو خود ان کی تصنیف ہے۔(۱۰) رسالہ المؤتمر الخاص صفحہ ۱۸، ۱۹۔(۱۱) ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ''جب ایمان کی بہار آئی''(۱۲) بیان القرآن ۱۲ الیاقت۔

❁.....❁.....❁